مدد سے عدالتوں میں زیر التواء مقدمات کا بوجھ کم کرنے اور نظامِ عدل کی بحیثیت مجموعی فعال کارکردگی بہتر بنانے کے لئے مثبت اقدامات کئے ہیں۔

ان اصلاحات کا سب سے اہم جزو 'تاخیر میں کمی کا پراجیکٹ' تھا جس پر پشاور، لاہور اور کراچی میں آزمائشی بنیاد پر محدود تعداد میں عدالتوں میں کام کیا گیا۔ اس کا مقصد مکمل شدہ مقدمات اور زیر التواء مقدمات کے تجزیہ کی بنیاد پر ایک مینجمنٹ منصوبہ تیار کرنا اور اس پر عملدرآمد کے علاوہ مقدمات پر کارروائی کے موزوں معیارات، 'مینوئل ریکارڈ مینجمنٹ' اور 'کیس فلو مینجمنٹ سسٹم' متعارف کرانا تھا۔ اس میں فعال کارکردگی بہتر بنانے کے لئے ججوں کی مراعات میں اضافہ شامل نہیں تھا بلکہ انہیں مزید تربیت فراہم کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ بہرحال ان اصلاحات سے فعال کارکردگی میں نمایاں حد تک بہتری آئی اور ان آزمائشی عدالتوں میں پہلے کے مقابلے میں ایک چوتھائی زیادہ مقدمات نمٹائے گئے۔[19]

اس کے علاوہ گزشتہ ڈیڑھ دہائی کے دوران عدالتی اور کیس مینجمنٹ کے طریقوں پر ماتحت عدلیہ کی تربیت کے لئے وفاقی اور صوبائی جوڈیشل اکیڈمیاں قائم کی گئی ہیں، لاء اینڈ جسٹس کمیشن آف پاکستان آرڈیننس، 1979 میں ترمیم کے ذریعے لاء اینڈ جسٹس کمیشن کو بااختیار بنایا گیا ہے جس کے تحت یہ کمیشن ''عدالتوں کی انتظامیہ اور مینجمنٹ کو فعال بنانے کے لئے انسانی وسائل کی ترقی اور ان میں اضافہ کے لئے اقدامات''[20] کرتا ہے اور اعلیٰ عدالتوں نے کازلسٹ اور کیس مینجمنٹ کی دیگر معلومات مثلاً آخری سماعت کی کیفیت وغیرہ آن لائن فراہم کرنے کے لئے اپنی ویب سائٹس کو بہتر بنایا ہے۔

ان حوصلہ افزاء اقدامات کو تقویت دینے اور گزشتہ ڈیڑھ دہائی کے دوران پیدا ہونے والے زور کو آگے بڑھانے کے لئے ملک میں ہر سطح کی تمام عدالتوں میں ترجیحی بنیاد پر کیس فلو مینجمنٹ کے خودکار نظام متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ بار کونسلوں کو بھی ساتھ ملایا جائے اور انہیں عدالتی نظم و نسق کے طریقوں میں آنے والی اس بہتری سے آگاہ کیا جائے۔ مزید برآں، عدلیہ میں مراعات اور ترقیوں کو تربیتی پروگراموں میں کارکردگی اور مقدمات نمٹانے سے متعلق بہتر فعال کارروائی کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔

عدلیہ کی فعالی میں مزید اضافہ کے لئے فوجداری اور دیوانی مقدمات کو ماتحت عدلیہ میں الگ الگ تقسیم کیا جاسکتا ہے اور فورنزک شواہد پر انحصار بڑھایا جاسکتا ہے، جس سے عینی شاہدین کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔

عدلیہ کی فعالی کے حوالے سے پاکستان میں ثالثی کو بالخصوص کمرشل امور میں قانونی چارہ جوئی کے ایک عمدہ متبادل کے طور پر مضبوط بنانے کے لئے ناگزیر ہے کہ ثالثی ایکٹ، 1940 اور ریکگنیشن اینڈ انفورسمنٹ (آربٹریشن ایگریمنٹس اینڈ فارن آربیٹال ایوارڈز ایکٹ) [Recognition and Enforcement (Arbitration Agreements and Foreign Arbital Awards Act)]، 2011 میں پائے جانے والے ابہام کو دور کیا جائے اور انہیں نیویارک کنونشن 1958 کے تحت پاکستان پر عائد ہونے والی بین الاقوامی ذمہ داریوں سے ہم آہنگ بنایا جائے۔ مراکز برائے متبادل تصفیہ تنازعات بھی قائم کئے جائیں جنہیں ترجیحاً عدالتوں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔

نظامِ عدل میں تاخیر کی کمی بنچ اور بار کے درمیان مثبت تعلق اور تعاون کے بغیر مشکل ہوگی۔ ضلعی ججوں کو ہدایت کی جاسکتی ہے کہ وہ اس تعاون کی راہ ہموار کرنے کے لئے 'بنچ بار کمیٹیاں' بنائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مقدمات نمٹانے میں تاخیر کا بڑا سبب فوجداری اور دیوانی دونوں مقدمات میں سماعت کے ہر مرحلے پر بے دریغ پیشیاں اور توسیع ہیں۔[21] وکلاء کی طرف سے متواتر پیشیاں لینے کے ساتھ ساتھ ان کی بظاہر نہ ختم ہونے والی ہڑتالوں کی روش کو بھی بنچ اور بار کے درمیان تعاون سے روکا جاسکتا ہے۔

انیسویں صدی کے پلٹے پر لارڈ جیمز برائس نے ایک یادگار قول کہا تھا کہ ''حکومت کی شاندار کارکردگی کا بہترین امتحان اس کے نظامِ عدل کی فعالی سے بڑھ کر کوئی نہیں کیونکہ اوسط درجے کے شہری کی فلاح اور سلامتی کو اس احساس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں چھوتی کہ وہ انصاف کے یقینی اور فوری انتظام پر تکیہ کرسکتا ہے''۔[22] پاکستان اپنی آزادی کی آٹھویں دہائی میں داخل ہو چکا ہے اور اس وقت ملک کی عدلیہ اور سیاسی قیادت کو اپنے اندر وہ عزم پیدا کرنا ہوگا اور اسے دوام دینا ہوگا جو عدلیہ کے ایک ایسے ماحول کی نشوونما اور اسے باقاعدہ شکل دینے کے لئے ضروری ہے جس میں قانون کی حکمرانی پھلے پھولے اور عدلیہ کی فعالی میں حتی الوسع حد تک بہتری آئے۔

انسانوں نے جب سے آزادی کی آرزو اور اجتماعی تنظیموں کی ضرورت کے درمیان مفاہمت کی راہ اپنائی ہے جس کے نتیجے میں ریاست ظہور پذیر ہوئی، ان کی اس جستجو میں قانون کی حکمرانی کے تصور پر انحصار دن بہ دن بڑھتا چلا گیا ہے۔

---

19 سپرا، نوٹ 8

20 لاء اینڈ جسٹس کمیشن آف پاکستان آرڈیننس، آرڈیننس نمبر XIV، مجریہ 1979، شق (2a)6۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://ljcp.gov.pk/Statutes/Ordinance%20LJCP.pdf

21 ظفر شیروانی، ''Case Flow Management System and Court Automation''۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.supremecourt.gov.pk/ijc/articles/20/1.pdf

22 جیمز برائس (1901)۔ ''Studies in History and Jurisprudence''۔ جو آن لائن لائبریری آف لبرٹی سے دستیاب ہے: http://oll.libertyfund.org/titles/bryce-studies-in-history-and-jurisprudence-vol-1

تنازعہ کا شکار علاقوں میں قانون کی حکمرانی:
فاٹا کے 'بے قانون' علاقوں کی حقیقتِ حال

نوید احمد شنواری

بانی سی ای او، کمیونٹی اپریزل
اینڈ موٹیویشن پروگرام

انصاف اور سلامتی قانون کی حکمرانی کی بنیاد ہے۔ تنازعہ کی روک تھام، اس کی شدت میں کمی یا اس سے بحالی کے لئے قانون کی حکمرانی کو مستحکم بنانے کے عمل میں مسائل کے ایک پیچیدہ مجموعے سے واسطہ پڑتا ہے جن میں تشدد اور ناانصافی کے ٹھوس مظاہر سے لے کر وسیع تر ادارہ جاتی کمیاں اور سماجی و معاشی ضروریات تک ہر طرح کے مسائل پیش آتے ہیں۔ قانون کی حکمرانی میں تعطل بگڑتے تنازعہ کی اہم ترین علامت ہے اور اسی بناء پر تنازعہ کی روک تھام میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ کسی جاری تنازعہ کی صورتحال میں شہریوں کا تحفظ قومی اداروں کو استعداد کے اعتبار سے اس حد تک بااختیار بنانے کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ "طاقت کی حکمرانی کا تدارک کر سکیں اور جلد بحالی کے ذریعے قانون کی حکمرانی قائم کر سکیں"۔ تنازعہ کے بعد کے حالات میں قانون کی حکمرانی ایسا محفوظ اور بے خطر ماحول قائم کرنے میں اولین اہمیت کی حامل ہے جس میں بحالی کا عمل آگے بڑھ سکے۔ انجام کار قانون کی حکمرانی پائیدار ترقی کے مقاصد کے حصول کے لئے ناگزیر ہے جس میں حکومتیں ذمہ دار اور قابل احتساب ہوں، کاروباری اداروں کو اس قدر اعتماد ملے کہ وہ معاہدے کر سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور تنازعات کی صورت میں انہیں موثر اور یقینی انداز میں طے کر سکیں۔

پاکستان اپنے تاریخی، نسلی وثقافتی پس منظر کے اعتبار سے قانون کی حکمرانی کی منفرد صورتحال کا حامل ہے۔ وقت کے ساتھ متعدد عوامل ریاست اور اس کے اداروں کی بحیثیت مجموعی پرامن کارگزاری پر اپنا اثر دکھاتے رہے ہیں اور بدستور دکھا رہے ہیں جن میں نہ صرف مذہبی یا فرقہ وارانہ چپقلش، نسلی رخنے اور سیاسی فتنے شامل ہیں بلکہ ماضی اور حال دونوں ادوار میں ہمسایہ ملکوں کے تنازعات نے بھی اسے متاثر کیا ہے۔ ان عوامل کی توسیعی شکلیں سبھی صوبوں اور اضلاع میں بھی موجود ہیں۔ جدول 1 میں ان مختلف تنازعات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جنہوں نے سالہا سال سے متعدد خطوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور ساتھ ہی قانون کی حکمرانی پر ان کے اثرات بھی بیان کئے گئے ہیں۔

جدول 1: تنازعات اور ان کے اثرات

تنازعہ کی نوعیت	خطہ	قانون کی حکمرانی پر اثرات
پرتشدد انتہاپسندی اور دہشت گردی	-فاٹا -خیبر پختونخواہ -بلوچستان کے پشتون اضلاع - کراچی	- 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' 60,000 سے زائد پاکستانیوں کی جانیں لے چکی ہے جن میں عام شہری، سیکیورٹی فورسز اور جنگجو شامل ہیں۔ -اندرون ملک جبری ہجرت اور سست رفتار بحالی۔ -سویلین انتظامیہ کی مکمل ناکامی اور کمزور سیکیورٹی استعداد۔ -ناانصافیاں اور تصفیہ تنازعات کے ڈھانچوں (رسمی اور غیر رسمی) کی ناکامی -دہشت گردی کے واقعات کی بناء پر قومی معیشت کو 100 ارب ڈالر سے زائد کا نقصان۔
فرقہ وارانہ تنازعہ	-جنوبی پنجاب - کوئٹہ -فاٹا: کرم، اورکزئی اور خیبر ایجنسیاں	-بڑھتی فرقہ واریت کے نتیجے میں دیرینہ تشدد، فرقہ واریت کے 1359 مقدمات موجود ہیں۔ -ہزارہ برادری کی نسل کشی (کوئٹہ میں)۔ -جبری ہجرت۔ -سول سیکیورٹی اداروں کی مکمل ناکامی۔ -ناانصافیاں اور تصفیہ تنازعات کے ڈھانچوں کی ناکامی۔
بلوچ بغاوت	بلوچستان کے بلوچ آبادی والے اضلاع	-لاپتہ افراد: نومبر 2017 کے اعداد و شمار کے مطابق لاپتہ افراد کی کل تعداد 1498 تھی۔ - نسلی اقلیتوں مثلاً پنجابیوں اور ہزارہ برادری پر حملے۔ -سیکیورٹی اور انصاف کے سول اداروں کی مکمل ناکامی۔
جرائم پیشہ گینگ	اندرون سندھ	- اگرچہ کمی دیکھنے میں آئی ہے لیکن اغواء برائے تاوان اور گن پوائنٹ پر وارداتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ -اقلیتوں کی بھارت اور دیگر ہمسایہ ملکوں کو ہجرت۔ -سیکیورٹی اور انصاف کے سول اداروں کی مکمل ناکامی۔

1 فنانس ونگ، حکومت پاکستان (2017)، "پاکستان اکنامک سروے 2016-17"۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.finance.gov.pk/survey/chapters_17/Pakistan_ES_2016_17_pdf.pdf
2 انسانی حقوق کمیشن پاکستان (2017)، Media monitoring and human rights violations and concerns in Pakistan۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://hrcpmonitor.org/
3 لاپتہ افراد پر تحقیقاتی کمیشن (2017)، Press Release: Month wise receipt disposal of cases۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://coioed.pk/press_release/

اگرچہ پاکستان کو آپس میں جڑے متعدد تنازعات کا سامنا ہے جو ملک میں امن و امان کی مجموعی صورتحال پر اثرانداز ہو رہے ہیں لیکن اس تحریر میں وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات کا جائزہ لیا گیا ہے جس کا شمار پاکستان کے نازک ترین خطوں میں ہوتا ہے۔

پاکستان میں وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات تشدد اور مسلح عسکریت پسندی کی لپیٹ میں ہیں۔ گیارہ ستمبر کو امریکہ میں ہونے والے دہشت گردی حملوں کے جواب میں افغانستان پر ناٹو کے قبضے سے اس کے پڑوسی فاٹا کے علاقوں میں تشدد کی لہر چل نکلی اور یہاں کی نازک صورتحال کہیں زیادہ پیچیدہ شکل اختیار کر گئی۔ پاکستانی فوج جو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پارٹنر ہے، نے باغیوں کو پکڑنے کے لئے فاٹا میں یلغار کر دی جس سے اس خطے کے سیکورٹی محرکین ڈرامائی انداز میں بدل گئے۔ یہ فوجی کارروائیاں بہرحال بڑے پیمانے پر اندرون ملک ہجرت کا باعث بنیں لیکن یہ ملک کی سیکورٹی انتظامیہ پر لوگوں کو اعتماد بحال کرنے میں کامیاب رہیں۔

فاٹا میں سیکورٹی اور تصفیہ تنازعات کے انتظامات

انصاف کے صدیوں پرانے نوآبادیاتی نظام اور طرز حکمرانی کے مطلق العنان ڈھانچے ان عوامل میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے خطے میں ہر طرف پھیلی غربت، ناخواندگی، ناانصافیوں، معاشی اور روزگار کے مواقع کی کمی اور اس خطے کو مرکزی سیاسی دھارے سے باہر رکھنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ مزید برآں، روایتی اور کرپٹ باضابطہ اداروں پر شہریوں کے اعتماد کی کمی نے فاٹا کے خطے میں عسکریت پسندی اور انتہا پسندی کی چنگاری بھڑکا دی۔

فاٹا میں سیکورٹی اور انصاف کی خدمات فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن (ایف سی آر) نامی نوآبادیاتی دور کی باقیات کے تحت آتی ہیں جسے ''کالا قانون'' بھی قرار دیا جاتا ہے۔ ایف سی آر کو پہلی بار انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں آزمائشی بنیاد پر اور پھر 1901 میں باقاعدہ طور پر نافذ کیا گیا جو دراصل انگریز راج اور قبائلی رواج کے بندھن کا دوسرا نام ہے۔ فاٹا بڑی حد تک اپنی نوعیت کے اعتبار سے قبائلی اور شدید حد تک خود مختار علاقوں پر مشتمل ہے جہاں پاکستان کے مرکزی قانون و انتظامی فریم ورکس کی حکمرانی ہے نہ یہ انصاف کے باقاعدہ رسمی نظام کا پابند ہے۔[4] رواج اور طاقت کے مقامی ڈھانچوں کی بنیاد پر انگریزوں نے قبائلی سرداروں (ملک)، دیگر قابل ذکر قبائلیوں اور عمائدین کو آپس میں ضم کر کے طرز حکمرانی اور تصفیہ تنازعات کا ایک نظام بنا دیا جو انگریزی محاورے ''گاجر اور چھڑی'' والی پالیسی کے مصداق بڑی چابکدستی سے تیار کیا گیا ایک ملغوبہ ہے۔ نوآبادیاتی انتظامیہ اور فاٹا کے قانونی فریم ورک کا بلاشرکت غیرے مقصد جابرانہ طریقوں اور سزاؤں کے ذریعے بے لگام قبائلیوں کی باقاعدہ بغاوت کو کچلنا تھا۔

ایف سی آر ہر قبائلی اکائی یا ایجنسی میں پولیٹیکل ایجنٹ کو تمام سیاسی، عدالتی اور انتظامی امور چلانے کا اختیار دیتا ہے۔[5] یہی پولیٹیکل ایجنٹ اپنے زیر اثر علاقائی حدود میں انتظامیہ کی حامی قبائلی اشرافیہ کو 'نکات سسٹم'[6] کے تحت ترقیاتی سکیموں کے ٹھیکے بھی دیتا ہے۔ بدگمانی پر مبنی اس انتظام نے فاٹا کی پسماندگی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے جس کی وجہ سے یہ علاقہ پاکستان کے باقی علاقوں کے مقابلے میں بعض بنیادی انسانی ضروریات کے اعتبار سے بھی کہیں پیچھے ہے۔

ساخت کے اعتبار سے فاٹا کا طرز حکمرانی 'حفاظتی' اور 'غیر حفاظتی' علاقوں میں تقسیم ہے۔ 'غیر حفاظتی علاقے' اس بڑے زمینی رقبے کو ظاہر کرتے ہیں جہاں ریاستی اتھارٹی ختم ہو جاتی ہے اور روایتی جرگے شروع ہو جاتے ہیں۔[7] غیر حفاظتی علاقوں میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے قبائل کو نکات سسٹم کے تحت خاصہ دار فورس (قبائلی پولیس) کی نامزدگی کا استحقاق دے دیا جاتا ہے۔ پولیٹیکل انتظامیہ سے معاوضہ وصول کرنے والے ان خاصہ داران کو معمولی ماہانہ تنخواہ کے ساتھ سالانہ بنیاد پر جوتوں کا ایک جوڑا اور ایک وردی دی جاتی ہے۔ اس فورس کو انسانی حقوق کی کوئی تکنیکی تربیت نہیں دی جاتی اور بڑے سیکورٹی خطرات سے نمٹنے کے لئے یہ عمدہ طریقے سے لیس نہیں ہے۔ باقاعدہ پولیس فورس کی عدم موجودگی میں مقامی قبائل 'پختونولی' کی مدد سے اپنی 'غیرت' کا تحفظ کرتے ہیں۔[8]

دوسری جانب 'حفاظتی علاقہ جات' میں پولیٹیکل ایجنٹ لیویز فورس کی مدد سے اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہیں۔ پورے فاٹا میں لیویز کے کل 11,789 اہلکار کام کر رہے ہیں جنہیں بھرتی اور لیس کرنے کا کام ریاستوں اور فرنٹیئر ریجنز (سیفران) کی وزارت انجام دیتی ہے۔ ناکافی حد تک لیس خاصہ داران اور محدود تعداد میں لیویز فورس فاٹا میں عسکریت پسندی کے خطرے کو کچلنے میں ناکام رہی جس پر فوجی مداخلت کی ضرورت پڑی اور تاحال خطے میں امن و امان برقرار رکھنے کی ذمہ داری فوج کے سپرد ہے۔ تاہم سلسلہ وار فوجی کارروائیاں تباہی اور بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا باعث بنی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگوں کا اعتماد اس حد تک بحال کرنے میں بھی کامیاب رہی ہیں کہ وہ اب اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔

آئین کے آرٹیکل (3)247 کی رو سے قومی پارلیمان کے بنائے ہوئے قوانین فاٹا پر نافذ نہیں ہوتے تاوقتیکہ صدر اس کی ہدایت نہ کر دیں۔ جمہوری اداروں میں نمائندگی کے فقدان کے ساتھ ساتھ پارلیمانی قوانین کا فاٹا پر عدم اطلاق سنگین جمہوری خسارے کی مانند ہے۔ علاوہ ازیں آئین کا آرٹیکل (7)247 ملک کے نظام عدل کو اپنا دائرہ اختیار فاٹا میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یوں تصفیہ تنازعات کا سوال تنازعہ کے جغرافیہ کی بنیاد پر طے کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر 'حفاظتی علاقوں' جو ریاست کے کنٹرول میں آتے ہیں، میں ایف سی آر جرگہ (سرکاری جرگہ) پولیٹیکل انتظامیہ کے زیر اثر تنازعات طے کرتا ہے جبکہ 'غیر حفاظتی علاقوں' میں قبائل اپنے معاملات قومی یا اولسی جرگہ (یا عوامی جرگہ) کے ذریعے نمٹاتے ہیں۔ تاہم دونوں جرگے فوجداری اور دیوانی تنازعات طے کرتے ہیں۔

فاٹا کے نظام انصاف کے بارے میں عوامی فہم

تصفیہ تنازعات کے نظام کی جائز حیثیت کا انحصار محض اس کی قانونی حیثیت پر نہیں ہوتا۔ اس نظام کو چلانے کے لئے عوامی تائید و قبولیت بھی اتنی ہی اہم ہوتی ہے۔ اس کا انحصار اس کی منصفانہ حیثیت اور فعالی کے ساتھ ساتھ مقامی اور سماجی اقدار کی پاسداری پر بھی ہوتا ہے۔[9] پختون قبائل بالعموم قومی جرگہ کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے ایک فعال اور منصفانہ ادارہ سمجھتے ہیں۔ سرکاری جرگہ نے اس کی حیثیت اور مستقبل داؤ پر لگا دیا ہے جسے کرپٹ اور بڑی حد تک پولیٹیکل انتظامیہ کے زیر اثر خیال کیا جاتا ہے جو امیر اور بااثر افراد کو نوازتا ہے۔ 2010 میں فاٹا میں ایک سروے کیا گیا[10] جس میں 1500 افراد سے جرگہ کے دونوں نظاموں پر متعدد سوالات پوچھے گئے اور سروے میں حصہ لینے والے دو تہائی سے زائد افراد (70.5 فیصد) نے قومی جرگہ کو انتہائی قابل اعتماد قرار دیا۔ اس کے برعکس محض 31.3 فیصد کے خیال میں سرکاری جرگہ منصفانہ ہے۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فاٹا کے شہریوں میں قومی جرگہ کو کیوں خاطرخواہ حد تک قبولیت دی جاتی ہے کیونکہ ان کے پاس اس کا کوئی بہتر متبادل نہیں ہے اور انسانی حقوق کے بارے میں آگاہی کم ہے۔ تاہم یہ انسانی بالخصوص خواتین اور اقلیتوں کے حقوق کے منافی ہے اور ایسی صورت میں اپنے شہریوں کا تحفظ ریاست کا فرض ہے۔ اگرچہ خاصہ دار فورس کو داخلی سلامتی برقرار رکھنے کا کٹھن کام درپیش ہے لیکن پھر بھی اس کی جگہ یا اسے پیشہ ورانہ خطوط پر تربیت یافتہ پولیس فورس میں تبدیل کرنا ناگزیر ہے۔

روایات اور نوآبادیاتی باقیات کا گٹھ جوڑ: فاٹا میں عدم استحکام اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں

ریخٹر کا کہنا ہے کہ ''انسانی حقوق کے بنیادی اصول میں یہ تصور بھی آتا ہے کہ انسانی حقوق کا تعلق ہر شخص سے ہے، چاہے وہ کہیں بھی مقیم ہو یعنی انسانی حقوق آفاقی ہیں''۔[11] متعدد پاکستانی مصنفین کے مطابق فاٹا کا انتظامی و قانونی ڈھانچہ قانون کی حکمرانی کے تصور کے مطابق نہیں ہے اور انسانی حقوق کی بنیادی اقدار کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ فاٹا کے ادارے ہوں یا اس کے قوانین اور قانونی فریم ورک یہ بحیثیت مجموعی ملکی قوانین

---

4 صدیق، اسامہ (2012)۔ The Other Pakistan: Special Laws, Diminished Citizenship and the Gathering Storm۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://ssrn.com/abstract=2185535 or http://dx.doi.org/10.2139/ssrn.2185535

5 تاہم 'چین آف کمانڈ' کے اعتبار سے فرنٹیئر ریجنز، ایجنسیوں سے مختلف ہیں اور ہر فرنٹیئر ریجن کا انتظام صوبہ خیبر پختونخواہ کے ملحقہ آباد کار ضلع کے ڈپٹی کوآرڈینیشن آفیسر کے سپرد ہے۔

6 نکات سسٹم جس کے تحت قبائل اجتماعی ذمہ داری کی بنیاد پر نفع و نقصان کی ریگولیشن کرتے ہیں۔

7 جرگہ کی اصطلاح ایک ادارے اور مروجہ طریقے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ زیر نظر تحریر میں تصفیہ تنازعات کی خدمات کے حوالے سے جرگہ پر بات کی گئی ہے۔

8 پختون والی مختلف تصورات کا مرکب ہے جن میں سے یہ چار مرکزی حیثیت رکھتے ہیں: 'عزت' یا غیرت مختلف حوالوں سے اہمیت کی حامل ہے، یہ کسی بھی شخص کے لئے احترام، بہادری (طرہ) اور کمزوروں (ننگ) اور خواتین (ناموس) کے تحفظ کے اصولوں کے لئے بنیاد کا کام دیتی ہے۔ دوسرا، کھلی مہمان نوازی (مل مستیا) اور ہر اس شخص کا تحفظ جو اس کا تقاضا کرے یا نہ کرے یہاں تک کہ دشمن بھی تحفظ کا تقاضا کر سکتا ہے۔ تیسرا 'بدل' انتقام سے متعلق رسوم و رواج اور کارروائیوں کا نام ہے۔ یہ رواج کسی متاثرہ شخص کو نتائج کی پرواہ کئے بغیر جواباً انتقام کا حق دیتا ہے۔ چوتھا 'نان وتی' معافی کا اصول ہے۔

9 گزمین، ایم ایم پی (2005)۔ Legal Pluralism as an Approach to Indigenous and Tribal Peoples' Rights۔ Human Rights in Development Yearbook, 2003, 45، صفحہ 53۔

10 سروے کا اہتمام 'کمیونٹی اپریزل اینڈ موٹیویشن پروگرام' کی جانب سے کیا گیا۔ مزید معلومات کے لئے دیکھیں: شنواری، این اے (2008)۔ Understanding FATA: Attitudes Towards Governance, Religion & Society in Pakistan's Federally Administered Tribal Areas۔ (پشاور: کمیونٹی اپریزل اینڈ موٹیویشن پروگرام، 2008) صفحہ 164۔

11 ریخٹر، ای (2006)۔ Human rights: An examination of universalism and cultural relativism۔ جرنل آف کمپیریٹو سوشل ویلفیئر، 22(1)، 23-36۔

کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ایف سی آر عوامی سطح پر نافذ ہے نہ اس پر برابر عملدرآمد ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے تحت آزادانہ چارہ جوئی ہو سکتی ہے۔ فاٹا میں اعلیٰ عدلیہ کی مکمل غیر موجودگی کے باعث یہاں کے شہریوں کو حاصل بنیادی ضمانتوں کا تحفظ نہیں ہو سکتا۔

آئین کے آرٹیکل 25 میں طے کر دیا گیا ہے کہ تمام شہری برابر ہیں اور یہ انہیں قانون کے برابر تحفظ کا حق دیتا ہے۔اگر اس دفعہ کا پوری طرح اطلاق کیا جائے تو فاٹا کے تمام شہریوں کو مکمل آئینی حقوق مل جائیں گے۔[12] تاہم برابری والی یہ شق مذکورہ بالا آرٹیکل (3)247 سے متصادم ہے جو برابری والی شق سمیت تمام آئینی اقدار کو بے اثر کر دیتی ہے۔یہ بین الاقوامی قانون کے بھی منافی ہے اور برابری کے اصول کو اسی طرح فوقیت ملنی چاہیئے جس طرح انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ میں دی گئی ہے (بالخصوص آرٹیکل 1، 7 اور 10)۔[13] پاکستان کی جانب سے سیاسی و سماجی حقوق کے بین الاقوامی معاہدہ (آئی سی سی پی آر) کی کسی تحفظات کے بغیر توثیق سے یہ بات حق بجانب ہو جاتی ہے کہ آئی سی سی پی آر کی "منصفانہ سماعت کے حقوق" والی شق کے تحت ایف سی آر کو چیلنج کیا جائے۔اس حقیقت کے باوجود کہ 2011 میں ایف سی آر میں اصلاحات کی گئیں، آج بھی یہ ان تقاضوں پر پورا نہیں اترتا۔مثال کے طور پر ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی کارروائی کے بغیر "اجتماعی سزا" دی جا سکتی ہے اور اس طرح یہ آئی سی سی پی آر کے آرٹیکل 14 کے عین خلاف ہے۔[14] حالیہ عرصے کے دوران ایف سی آر کی منسوخی کے دعوے تو کیئے گئے ہیں لیکن وقت ہی بتائے گا کہ اس خطے کا مقدر کیا بنتا ہے۔[15]

حاصل بحث

پاکستان 1947 میں آزاد ہوا اور آج سات دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی فاٹا میں طرز حکمرانی کے قدیم نظام اور ایف سی آر کے تحت تصفیہ تنازعات کے ڈھانچے اپنی جگہ موجود ہیں اور جدید ریاستی ادارے آج بھی یہاں وجود سے عاری ہیں۔1970 کی دہائی سے اب تک فاٹا میں طرز حکمرانی اور انصاف کے شعبوں کی اصلاح کے لئے درجن بھر کوششیں کی جا چکی ہیں لیکن خاطر خواہ حد تک کچھ نہیں بدلا۔دو بڑی سیاسی اصلاحات یہ ہوئیں کہ 1996 میں بالغ حق رائے دہی کا قانون متعارف کرایا گیا اور 2011 میں پولیٹکل پارٹیز ایکٹ فاٹا میں نافذ کیا گیا۔فاٹا ٹریبونل کا قیام اور فاٹا میں پولیٹکل ایجنٹوں کے اختیارات محدود کرنے جیسے اقدامات بھی ترمیمی ایف سی آر 2011 کا حصہ تھے لیکن ان پر پوری طرح عملدرآمد نہیں ہو پایا۔

بعض حدود کے باوجود فاٹا کی حالیہ مجوزہ اصلاحات کو عوامی پذیرائی ملی ہے جن میں فاٹا کو خیبر پختونخواہ میں ضم کرنے، بلدیاتی ادارے متعارف کرانے اور فاٹا کو اعلیٰ عدلیہ کے دائرہ اختیار میں لانے جیسی تجاویز قابل ذکر ہیں۔یہ باتیں اپنی جگہ، 81 صفحات پر مشتمل سفارشات رپورٹ میں شامل ایف سی آر کی جگہ قبائلی علاقہ جات رواج ایکٹ لانے کی تجویز پر اتنی ہی تنقید بھی کی گئی ہے۔مقامی رواج کے تحت بالخصوص خواتین کے معاملے میں اپنائے جانے والے بعض طریقوں کو انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی خیال کیا جاتا ہے جس کی ایک مثال سوارا اور غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم ہیں۔اصلاحاتی عمل جہاں اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے وہیں اسے غیر سیاسی رکھنا اور انسانی حقوق کے پہلو پر توجہ مرکوز رکھنا بھی ناگزیر ہے جس میں فاٹا کے عوام کو عزت و وقار کے ساتھ اپنی زندگیاں گزارنے اور پاکستان کا برابر شہری بننے کا موقع ملنا چاہیئے۔

وقت کے ساتھ متعدد تنازعات اور اندرون ملک نقل مکانی کی وجہ سے گاہے بگاہے یہ عمل پٹڑی سے اترتا رہا ہے جس نے قبائلی معاشرے کو زیادہ متحرک اور غیر جامد بنا دیا ہے۔اگر قابل احتساب جمہوری ادارے مہیا کر دیئے جائیں تو پاکستان کے دیگر علاقوں کی طرح فاٹا میں بھی ترقی کے لئے سازگار ماحول پیدا ہو سکتا ہے اور بنیادی خدمات کی بہتر فراہمی سے نجی شعبے کی سرمایہ کاری میں اضافہ اور کرپشن میں کمی تک ہر طرح کے ثمرات سامنے آ سکتے ہیں۔

---

12 روڈر، ٹی جے۔شنواری، این اے (2015)۔Pakistan: Jirgas Dispensing Justice without State Control کوٹر ایم، روڈر ٹی جے، شوپرٹ جی ایف، وولفرم آر (مدیران)۔Non-State Justice Institutions and the Law. Governance and Limited Statehood۔ پالگریو میک ملن، لندن، صفحہ 41۔

13 ایضاً

14 ایف سی آر (ترمیمی) 2011، میں سزا میں گرفتاری اور حراست کے ساتھ ساتھ جائیداد کی ضبطی، ملک کے دیگر علاقوں میں داخل ہونے پر پابندی (سیکشن 21) اور کمیونٹیز پر جرمانے (آرٹیکلز 22 اور 23) کے امکانات شامل ہیں۔

15 روزنامہ ڈان (2017)، Draconian Frontier Crimes Regulation to be repealed in Fata within a week: SAFRON minister۔جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.dawn.com/news/1375339

جین فرینکوائز کاٹین

یورپی یونین مندوب کے سفیر برائے پاکستان

مکرر ارشاد

"... حقوق پر مبنی سوچ اور صنفی برابری وہ کلیدی اقدار ہیں جو ہمارے تمام ترقیاتی پروگراموں کے مرکزی دھارے میں شامل ہیں۔"

پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپیرنسی (پلڈ یٹ) کی طرف سے تیار کئے گئے قانون کی حکمرانی انڈکس میں خیبر پختونخواہ کی کارکردگی اچھی رہی ہے۔ آپ کے نزدیک خیبر پختونخواہ میں قانون کی حکمرانی کے میدان میں یورپی یونین نے کس شعبے میں سب سے نمایاں کردار ادا کیا ہے؟

یہ خاصا دلچسپ سوال ہے۔ یورپی یونین کے نزدیک قانون کی حکمرانی محض ایک میدان نہیں، بلکہ یہ طرز حکمرانی کا ایک بنیادی اصول اور فنڈز کی فراہمی کے اصولوں میں سے ایک ہے جو یورپی یونین اور اس کی رکن ریاستوں کی کلیدی اقدار میں شامل ہے۔

یورپ نے قانون کی حکمرانی تک پہنچنے کے لئے ایک طویل سفر طے کیا۔ ایک طرف قانونی فریم ورک کو یورپی اقدار اور انسانی حقوق کے ہم آہنگ بنانا تھا اور دوسری جانب حکومتوں اور اداروں کو قابل احتساب بنانا تھا اور بنایا گیا، یہ بھی طے کرنا تھا کہ شہریوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کرنا ضروری ہے اور آزاد پریس اور فعال سول سوسائٹی کو اس میں ہونے والی پیشرفت کی مستقل نگرانی کرنا ہے۔

پاکستان کے ساتھ اپنے ترقیاتی تعاون میں ہم نے پاکستانی حکومت کے ساتھ ایک جامع لائحہ عمل پر اتفاق کیا۔ پائیدار ترقی میں ہمارا کردار جو ہمارے وژن کے عین مطابق ہے، انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی پر مبنی مضبوط جمہوری طرز حکمرانی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ حقوق پر مبنی سوچ اور صنفی برابری وہ کلیدی اقدار ہیں جو ہمارے تمام ترقیاتی پروگراموں کے مرکزی دھارے میں شامل ہیں۔

پاکستان کے ساتھ ہمارے تعاون کے پروگرام میں تین بنیادی شعبے شامل ہیں جن میں پہلا شعبہ دیہی ترقی، دوسرا تعلیم، مہارتوں میں بہتری اور عمدہ طرز حکمرانی جبکہ تیسرا شعبہ انسانی حقوق کا ہے اور قانون کی حکمرانی جس میں 2014-20 کے لئے 97 ملین یورو کا عندیہ دیا گیا ہے۔

خیبر پختونخواہ میں ہم قانون کی حکمرانی اور پائیدار ترقی میں مدد دے رہے ہیں اور اس سلسلے میں ہماری موضوعاتی ترجیحات مثلاً پارلیمانی معاونت، مقامی طرز حکمرانی، دیہی ترقی، تعلیم، تکنیکی و پیشہ ورانہ تعلیم و تربیت (ٹی وی ای ٹی) اور انسانی حقوق کے تحت متعدد پروگراموں پر کام کیا جا رہا ہے۔

سلامتی اور انصاف کے اعتبار سے قانون کی حکمرانی کے شعبے میں ہم اپنے پارٹنرز اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ (یو این ڈی پی) اور کافی (Coffey) کے ساتھ مل کر "سٹیزن جسٹس اینڈ پیس پروگرام" کے لئے سرمایہ فراہم کر رہے ہیں اور نفاذ قانون اور پولیس استعداد کے ساتھ ساتھ متعلقہ وزارتوں اور شہریوں کی طرف سے پولیس کی سماجی نگرانی کو مستحکم بنانے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

یورپی یونین نے خیبر پختونخواہ اور پنجاب میں قانون کی حکمرانی و انصاف کے پروگراموں کے ذریعے پائیدار ترقی کے عالمی مقصد نمبر 16 "امن، انصاف اور مضبوط ادارے" کے سلسلے میں مدد فراہم کی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مستقبل میں یورپی یونین دیگر صوبوں، مثلاً بلوچستان (جہاں قانون کی حکمرانی کی صورتحال کافی نازک ہے) میں ایسی کاوشوں میں مدد دے گی؟

پاکستان کے ساتھ ترقیاتی تعاون کے سلسلے میں بلوچستان ہمارے ترجیحی صوبوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں بلوچستان پاکستان میں سب سے زیادہ محرومیوں کا شکار صوبہ ہے جہاں سماجی و اقتصادی ترقی کے اشاریئے سب سے پست ہیں۔ ہمارے تعاون کے پروگرام ہماری ترجیحات کے مطابق ہیں اور اس وقت ہماری توجہ مقامی طرز حکمرانی، تعلیم اور تکنیکی و پیشہ ورانہ تعلیم و تربیت پر زیادہ مرکوز ہے۔

بلوچستان میں سلامتی کی صورتحال پر ہمیں خدشات لاحق ہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ داخلی تنازعات، تہہ در تہہ تشدد اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں صوبے کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ 2017 میں ہمیں پاکستانی حکومت کی جانب سے درخواست موصول ہوئی کہ ہم بالخصوص وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات (فاٹا) کو خیبر پختونخواہ میں ضم کرنے کے منصوبے کے سلسلے میں قانون کی حکمرانی کو مستحکم بنانے کے لئے تکنیکی معاونت فراہم کریں اور عمدہ طرز حکمرانی پر اشتراک عمل کو مزید بڑھائیں۔ فی الوقت ہم اس پروگرام کی تیاری کر رہے ہیں۔ ہم اس پروگرام کی منصوبہ سازی کو بلوچستان تک پھیلانے پر غور کر سکتے ہیں لیکن ہمارے داخلی فیصلہ سازی کے عمل میں تا حال اسے حتمی شکل نہیں دی گئی۔

یورپی یونین نے خیبر پختونخواہ میں تصفیہ تنازعات کے متبادل طریقوں کا معیار اور ان کی جائز قانونی حیثیت بہتر بنانے میں مدد دی ہے جس کے لئے عملی ماہرین میں انسانی حقوق کے معیارات، صنف، ملکی قوانین اور مصالحتی معیارات پر آگاہی پیدا کی گئی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان طریقوں پر بلوچستان میں بھی عمل کیا جا سکتا ہے؟

بحیثیت یورپی یونین ہم تنوع اور مختلف ثقافتوں کے درمیان آپس کی مفاہمت اور تصفیہ تنازعات کے طریقوں کا احترام کرتے ہیں لیکن ایک استحقاق کے طور پر ہم انسانی حقوق کے بین الاقوامی معیارات اور صنفی برابری پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ ان اقدار کو پاکستان کے روایتی اور تصفیہ تنازعات کے متبادل طریقوں میں ضم کرنے کے حوالے سے ہمیں کچھ خدشات لاحق ہیں اور یہ صرف خواتین کے حقوق سے متعلق نہیں البتہ خاص طور پر ان سے متعلق ضرور ہیں کیونکہ تاریخی طور پر انصاف کے متبادل نظاموں میں خواتین کی رائے کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی۔

ہم جانتے ہیں کہ پاکستان میں رسمی نظام انصاف بھی خاصا غیر فعال ہے اور زیادہ تر شہری روایتی انصاف اور متبادل طریقوں سے تنازعات نمٹانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم نے تصفیہ تنازعات کے متبادل منصوبوں کو مستحکم بنانے کے

لئے سٹیزنز جسٹس اینڈ پیس پروگرام میں یو این ڈی پی کو معاونت فراہم کی۔ ہمارا منصوبہ ہے کہ تعاون کے شعبے طرز حکمرانی کے تحت ہم اپنے اقدامات کو وسعت دیں گے جس میں رسمی انصاف اور سلامتی کے نظام کے حوالے سے بالخصوص خیبر پختونخواہ اور بلوچستان پر خصوصی توجہ دی جائے گی جہاں اس کی زیادہ ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ ہم قانون کی حکمرانی کے سلسلے میں حال ہی میں تیار کئے گئے روڈ میپ میں مدد دینے پر آمادہ ہیں۔ تصفیہ تنازعات کے متبادل نظاموں کے لئے ضروری ہے کہ یہ رسمی نظام کو تقویت دینے کا کردار ادا کریں اور اس امر کو یقینی بنائیں کہ انصاف کسی نہ کسی شکل میں شہریوں کی رسائی میں ہو۔ ہم ان متبادل طریقوں پر مدد کے لئے تبھی سوچ سکتے ہیں جب ان کا دائرہ کار محدود ہو اور ہم یہ سمجھ لیں کہ یہ محروم اور غریب شہریوں میں قانونی آگاہی پیدا کرنے اور قانونی طور پر انہیں با اختیار بنانے میں بالخصوص مفید ہیں۔

یو رپی یونین نے خیبر پختونخواہ میں خواتین کو با اختیار بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے جس کے لئے قانون کا پیشہ اپنانے کی خواہشمند خواتین کو مدد فراہم کی گئی ہے۔ دیگر معاونت کے تحت صنفی ڈیسک قائم کئے گئے ہیں اور پولیس اور کمیونٹی خواتین کے درمیان مشاورتی اجلاسوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ آپ کے خیال میں ان اقدامات سے خیبر پختونخواہ میں خواتین کی انصاف تک رسائی کس طرح بہتر بن سکتی ہے؟

جب آپ انصاف تک رسائی کی بات کرتے ہیں تو یہ ثقافتی تنوع کی بات ہو جاتی ہے۔ خواتین کے مسائل پر اگر خواتین کام کریں گی تو انہیں زیادہ آسانی محسوس ہو گی اور اسی سلسلے میں ہمارے پروگراموں نے اثرات مرتب کئے ہیں۔ انہیں مثال کے طور پر خواتین پولیس افسران کے ذریعے نظام قانون اور عدلیہ تک آسانی رسائی میں مدد دی جاتی ہے۔ لہٰذا ثقافتی حساس پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے اور رسائی کے آسان ذرائع فراہم کرنے کے لئے ان اقدامات سے خواتین کی انصاف تک رسائی بڑھانے میں مدد ملی ہے۔

یو رپی یونین کی معاونت نے قانون کی حکمرانی پروگرام کو خاطر خواہ حد تک کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ کیا آپ ان کامیابیوں سے متعلق ایسے کسی شعبوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں جنہیں بہتر بنایا جا سکتا ہو؟

بہتری کی گنجائش ہمیشہ رہ جاتی ہے اور سیکھنے کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ماڈل پولیس سٹیشن قائم کرتے ہوئے ان میں ڈیزائن اور لے آؤٹ کے اعتبار سے بہتری لائی جا سکتی ہے۔ دستیاب سامان کا بہتر اور زیادہ موثر استعمال ایک اور شعبہ ہے جہاں بہتری لائی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں مستقبل میں ان پراجیکٹس میں توسیع لائی جائے یا کسی دوسری جگہ انہیں عملی جامہ پہنایا جائے تو موجودہ تجربات اس میں رہنمائی کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

فلائٹ لیفٹیننٹ (ریٹائرڈ) محمد خالد خٹک

سابق انسپکٹر جنرل، اسلام آباد پولیس

آپ کی رائے میں کیا پاکستان میں طرزِ حکمرانی کے ایسے ڈھانچے موجود ہیں جو ریاستی اداروں میں شفافیت اور احتساب کو یقینی بنائیں؟ طرزِ حکمرانی کے یہ ڈھانچے کس قدر موثر ہیں؟

پولیس قوانین سمیت ہمارے تمام قوانین 1973 کے آئین سے اخذ کئے گئے ہیں۔ جہاں تک محکمہ پولیس کا تعلق ہے تو طرزِ حکمرانی کے مطلوبہ ڈھانچے اپنی جگہ موجود ہیں اور وہ احتساب اور شفافیت کو یقینی بناتے ہیں۔ کارکردگی اور نظم وضبط سے متعلق قواعد میں احتسابی عمل بھی یقینی بنا دیا گیا ہے۔

پولیس پاکستان پینل کوڈ میں درج جرائم سے نمٹنے کے لئے کام کرتی ہے۔ کسی مختلف نوعیت کے جرائم مثلاً کرپشن یا اختیارات کے غلط استعمال کے معاملے میں یہ ذمہ داری دیگر ادارے مثلاً قومی احتساب بیورو، انٹی کرپشن کے صوبائی محکمے وغیرہ سنبھال لیتے ہیں۔ بعض اوقات دیگر محکمے ہم سے مدد کے لئے رابطہ کرتے ہیں لیکن قانون ونظم اور قواعد وضوابط کے نفاذ کے سلسلے میں ان کی مدد محدود ہوتی ہے۔ پولیس براہ راست دیگر محکموں کی کارکردگی پر ذمہ دار نہیں ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں پولیس اور عدلیہ سمیت قانون ونظم سے متعلق ادارے شہریوں کو انصاف تک مساویانہ رسائی فراہم کرتے ہیں؟ قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے کون کون سے ضروری اقدامات کئے جانے چاہئیں؟

پولیس کا فرض قوانین پر عملدرآمد یقینی بنانا اور قانون کی حکمرانی برقرار رکھنا ہے۔

جہاں تک اسلام آباد پولیس کا تعلق ہے تو ہم نے قانون کی حکمرانی یقینی بنانے کے لئے متعدد اقدامات کئے ہیں۔ مثال کے طور پر دفتر انسپکٹر جنرل (آئی جی) اس امر کو یقینی بناتا ہے کہ گراؤنڈ رجسٹر کے مقدمات پر کام کرنے والے یونٹ آزادانہ طور پر کام کریں۔ اس کے علاوہ تفتیشی کارروائیوں کی نگرانی بھی ہوتی ہے۔ دفتر انسپکٹر جنرل کا بنیادی کام نگران کا کردار ادا کرنا ہے جبکہ روزمرہ پولیس امور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس (ایس ایس پی) آپریشنز اور ان کی ٹیم کے تحت انجام دیئے جاتے ہیں۔ لیکن جب بھی کوئی شکایت سامنے آتی ہے تو دفتر انسپکٹر جنرل اس میں مداخلت کرتا ہے اور شکایت کنندہ کی مدد کے لئے کارروائی کرتا ہے۔ انصاف کا ہر لحاظ سے پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

انصاف تک آسان رسائی یقینی بنانے کے لئے ہمارے ہاں ای کمپلینٹ سسٹم بھی موجود ہے تاکہ لوگ آن لائن طریقے سے بھی اپنی شکایات درج کرا سکیں جس میں سوشل میڈیا اور ویب سائٹ کے طریقے شامل ہیں۔ ہم نے شکایات نمٹانے کا ایک آن لائن نظام بھی قائم کیا ہے جو نگرانی کا کردار ادا کرتا ہے۔ دیہی علاقوں میں جہاں انصاف تک رسائی میں رکاوٹ پیش آتی ہے، ضلعی پولیس افسران نے شکایات کے ازالہ کے لئے باقاعدہ ڈھانچے وضع کئے ہیں۔

علاوہ ازیں پاکستان میں میڈیا بھی جرائم اور ناانصافی کو اجاگر کرنے والا ایک مضبوط کردار ہے جس سے محکمہ پولیس کو بھی مدد ملتی ہے۔ جب بھی ہم کسی خلاف ورزی سے نمٹنے کے لئے کوئی مہم شروع کرتے ہیں ہم یقینی بناتے ہیں کہ ہم عوام تک پہنچنے کے لئے ذرائع ابلاغ کا استعمال کریں اور لوگوں میں شعور وآگاہی پیدا کرنے کے لئے مختلف اداروں کے دورے کئے جاتے ہیں۔ ان سرگرمیوں کی بدولت قانون کی حکمرانی قائم کرنے اور سلامتی ونظم برقرار رکھنے میں مدد ملی ہے۔ دیہی علاقوں میں لوگوں کی مدد کرنے اور انصاف تک ان کی رسائی بہتر بنانے کے لئے ٹیکنالوجی کے استعمال کا مزید جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

بنیادی انسانی حقوق کا احترام یقینی بنانے میں ریاست کا کردار اپنی جگہ، بالعموم معاشرے کو بھی اس میں اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ آپ کی رائے میں کیا معاشرہ ساتھی شہریوں کے انسانی حقوق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟ وسیع تر معاشرتی تبدیلی لانے اور بنیادی انسانی حقوق کی قبولیت یقینی بنانے کے لئے کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے؟

بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری یقینی بنانا پولیس کی ترجیح ہے۔ مثال کے طور پر اسلام آباد میں ہم نے تمام سٹیشن ہاؤس افسران (ایس ایچ او) کو غیر قانونی حراست کے خاتمہ کی ہدایات جاری کی ہیں۔ ہم نے اپنے ایس ایچ اوز کو یہ ہدایات بھی دی ہیں کہ وہ زیرِحراست افراد پر تشدد کا خاتمہ کریں اور انہیں بنیادی حقوق فراہم کریں۔ ہم بنیادی انسانی حقوق افسران کی تقرری پر بھی کام کر رہے ہیں جو پولیس افسران ہی ہوں گے لیکن انہیں ایک خاص ذمہ داری سونپی جائے گی۔ ہم عام شہریوں کو بھی ساتھ ملا رہے ہیں کہ وہ بھی پولیس پر نظر رکھیں اور اختیارات کے غلط استعمال کے کسی بھی شبہ کی صورت میں سینئر افسران کو اطلاع دیں۔ لہٰذا پولیس اس امر کو یقینی بنانے کے لئے پوری محنت سے کام کر رہی ہے کہ انسانی حقوق کی نہ صرف پاسداری کی جائے بلکہ لوگ خود بھی اس عمل میں فعال طریقے سے حصہ لیں۔

بحالی پر مبنی نظامِ انصاف (Restorative Justice) کے تصور کو پاکستان میں بھی ایک ماڈل کے طور پر اپنایا جاسکتا ہے۔ اس وقت آسٹریلیا جیسے ممالک میں اس پر عمل کیا جارہا ہے جس میں متاثرہ فرد، مجرم اور جرم سے متعلق تمام فریق مل کر بیٹھ جاتے ہیں اور مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاہم اس تصور کو کامیاب بنانے کے لئے اسے قانون میں شامل کرنا ضروری ہوگا۔

حالیہ سالوں میں پاکستان ایسے داخلی تنازعات کی لپیٹ میں رہا ہے جنہوں نے ملک کی مجموعی سلامتی پر بھی اثرات مرتب کئے ہیں۔ قانون کی حکمرانی کو مستحکم بنا کر اسے نازک حالات سے دوچار علاقوں میں تنازعات کی موثر روک تھام کے لئے کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے؟

اسلام آباد میں ہمیں ایسے مسائل سے واسطہ نہیں پڑا۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ قانون کی حکمرانی مستحکم بنانے سے تنازعات والے علاقوں میں موجود مسائل کم سے کم ہو جائیں گے۔ قانون کا اطلاق جب مساویانہ انداز میں ہوتا ہے تو نفاذ قانون کے اعتبار سے حالات میں واقعی بہتری آتی ہے۔

مکرر ارشاد

"... قانون کا اطلاق جب مساویانہ انداز میں ہوتا ہے تو نفاذ قانون کے اعتبار سے حالات میں واقعی بہتری آتی ہے۔"

مکرر ارشاد

”... انصاف تک رسائی تبھی بہتر ہوگی جب ہم متعلقہ شعبوں میں تربیت سے عدلیہ کی استعداد بہتر بنائیں گے۔“

ارم احسن

سینئر قونصل، لاء اینڈ پالیسی ریفارم دفتر جنرل قونصل
ایشیائی ترقیاتی بینک (اے ڈی بی)

آپ کی رائے میں کیا پاکستان میں طرز حکمرانی کے ایسے ڈھانچے موجود ہیں جو ریاستی اداروں میں شفافیت اور احتساب کو یقینی بنائیں؟ طرز حکمرانی کے یہ ڈھانچے کس قدر موثر ہیں؟

میرے نزدیک پاکستان سمیت کسی بھی ملک کے لئے یہ ایک مسلمہ سی بات ہے کہ ثمرات کی مساویانہ تقسیم ریاستی اداروں بالخصوص عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کی اولین ذمہ داری ہے۔ یہ ادارے پائیدار اور عوامی تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں تو اس کا نتیجہ موثر سماجی و اقتصادی پالیسیوں کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عدلیہ کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کے حقوق کا تحفظ اور نفاذ کرے، مقننہ کا کام ہے کہ وہ طرز حکمرانی کے نظاموں کو عملی شکل دینے اور کوتاہیوں پر احتساب کے لئے قوانین وضوابط وضع کرے جبکہ انتظامیہ عوامی اشیاء وخدمات کی فراہمی کے لئے پالیسیاں بنائے اور یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا جاتا ہے۔ طرز حکمرانی کے ان اداروں تک عام شہریوں کی رسائی آسان، عمدہ اور باکفایت ہونی چاہیئے تاکہ برابر مواقع اور ترقی کو یقینی بنایا جاسکے۔

کیا آپ سمجھتی ہیں کہ پاکستان میں پولیس اور عدلیہ سمیت قانون ونظم سے متعلق ادارے شہریوں کو انصاف تک مساویانہ رسائی فراہم کرتے ہیں؟ قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے کون کون سے ضروری اقدامات کئے جانے چاہئیں؟

میری رائے میں قانون ونظم سے متعلق تمام ادارے ایک ایسے معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں جس پر مختلف عوامل اپنا اثر دکھاتے ہیں جن میں دیگر کے علاوہ بڑوں کے پیچھے چلنے والی سوچ، دقیانوسی باتیں اور ایک مذہبی قانون کے طور پر اسلام کے بارے میں ناکافی یا غلط سمجھ بوجھ بھی شامل ہیں۔ بہت سی آراء کی تشکیل میڈیا کے ہاتھوں ہوتی ہے اور غیر ذمہ دارانہ رپورٹنگ انصاف کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ یہ باتیں اپنی جگہ، عدلیہ کے اداروں کو ان تمام باتوں سے بالاتر ہونا چاہیئے اور وہ مقدمات کے فیصلے صرف اور صرف قانون کی روشنی میں کریں۔ عدلیہ کی تربیت میں تعصبات سے نمٹنے کی تعلیم اور غیر جانبداری بھی شامل ہوں۔ پاکستان میں اس طرز کی تربیت کمیاب دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا اگر مناسب تعلیم فراہم نہیں کی جارہی تو عدلیہ کو الزام نہیں دیا جانا چاہیئے۔

پنجاب میں عدلیہ کے ساتھ ایشیائی ترقیاتی بینک کا ایک حالیہ تجربہ صنفی امور پر آگاہی پیدا کرنے سے متعلق تھا۔ چیف جسٹس، لاہور ہائیکورٹ کی درخواست پر ایشیائی ترقیاتی بینک کو دعوت دی گئی کہ وہ عدلیہ کے لئے تربیت کا انعقاد کرے۔ پنجاب پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور اسے خواتین کے خلاف تشدد کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔ اس بناء پر یہ کچھ کر دکھانے کا ایک شاندار موقع تھا۔ ضروریات کے تجزیہ کے دوران جج صاحبان کا متواتر یہ کہنا تھا کہ ان کی عدالتیں بلاامتیاز ہیں کیونکہ وہ لوگ مقدمات کے فیصلے قانون کی بنیاد پر کرتے ہیں جو غیر امتیازی ہے اور صنف کے معاملے میں غیر جانبدارانہ منطق اور عام فہمی پر مبنی ہے لیکن پھر بھی ریپ کے مقدمات میں سزائیں دینے کا تناسب 2016 میں صرف دو سے تین فیصد رہا۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے ایک بہت ہی جامع تربیت کا اہتمام کیا جس کے نتیجے میں پہلی بار ایک ایسی تربیت یافتہ عدلیہ سامنے آئی جو یہ سیکھ چکی تھی کہ غیر شعوری تعصبات، باقاعدہ اور بے قاعدہ امتیاز سے کس طرح نمٹنا ہے، صنفی تشدد کے حوالے سے فقہ اسلامی کیا کہتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر بہترین مروجہ طریقے کیا ہیں۔ ہماری سرگرمیوں کے نتیجے میں عدلیہ کے لئے صنفی مساوات پالیسی کا نوٹیفکیشن بھی ہوا اور صنفی تشدد کے مقدمات کے لئے پہلی بار سپیشلائزڈ عدالت وجود میں آئی۔

ایشیائی ترقیاتی بینک سال 2012 سے پاکستان میں ماحولیاتی قانون پر استعداد کی بہتری کے لئے بھی عدلیہ کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ پاکستان نے عدلیہ کی ”ماحولیاتی انصاف میں بہتری کی کمیٹی“ تشکیل دی۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے اس کمیٹی کی رہنمائی میں پاکستان کی عدلیہ کو تمام صوبائی عدالتوں میں ’گرین بینچ‘ قائم کرنے میں مدد دی۔ مزید برآں، ایشیائی ترقیاتی بینک نے ماحولیاتی قانون کا نصاب بھی تیار کیا جو جوڈیشل اکیڈمیوں میں پڑھایا جائے گا۔ یہ ایک پائیدار تربیتی پروگرام تھا۔ اس کی ضرورت اس لئے تھی کہ یہ جج صاحبان جب قانون کی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو ماحولیات کا مضمون ان کے نصاب میں شامل ہی نہیں تھا۔

جہاں تک آپ کے سوال پر جواب کا تعلق ہے تو انصاف تک رسائی تبھی بہتر ہوگی جب ہم متعلقہ شعبوں میں تربیت سے عدلیہ کی استعداد بہتر بنائیں گے۔ عدلیہ قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے بلاواسطہ طور پر قوانین کی تشریح کرتی ہے، سپیشلائزڈ بینچ قائم کرتی ہے اور بالواسطہ طور پر شعبہ قانون کو قانون کی حکمرانی کے ایک معتبر نظام کی راہ پر ڈالتی ہے۔ اس بناء پر ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے مستقل طور پر تربیت کا سلسلہ جاری رہے۔

بنیادی انسانی حقوق کا احترام یقینی بنانے میں ریاست کا کردار اپنی جگہ، بالعموم معاشرے کو بھی اس میں اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ آپ کی رائے میں کیا معاشرہ ساتھی شہریوں کے انسانی حقوق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟ وسیع تر معاشرتی تبدیلی لانے اور بنیادی انسانی حقوق کی قبولیت یقینی بنانے کے لئے کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے؟

آج کے دور میں ایک بنیادی ضرورت سوچ میں وسیع تر تبدیلی کی ہے۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی زیادہ تر خلاف ورزیاں لڑکیوں اور خواتین کے ساتھ ہوتی ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ صنفی تشدد کو ایک عام سی بات بنا دیا گیا ہے۔ لوگ جب کسی دو افراد کو سڑک پر لڑتے دیکھتے ہیں تو سب کے سب انہیں روکنے کے لئے بیچ میں کود پڑتے ہیں۔ لیکن کوئی مرد کسی عورت کو مارتے ہوئے نظر آجائے تو سب یہ کہہ کر ایک طرف ہو جاتے ہیں کہ یہ ان کا ’ذاتی معاملہ‘ ہے۔ ہر سطح پر اس سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ والدین کو چاہیئے کہ وہ بیٹوں اور بیٹیوں دونوں کی ایک جیسی پرورش کریں یعنی بیٹے کو ٹی سیٹ سے کھیلنے کی اجازت دے دی جائے اور بیٹی کو کار کے ساتھ کھیلنے کی۔ تعلیمی نصاب میں اس بات پر زور دیا جائے کہ گھر کی چار دیواری کے اندر ہو یا کسی عوامی جگہ پر، انسانی حقوق ناقابل تردید ہیں اور کسی کو ان سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ نصاب میں صنف کے لحاظ سے دقیانوسی سوچ کو ختم کرنے کی ضرورت ہے یعنی ایسا کیوں ہے کہ نرس ہمیشہ کوئی خاتون ہی ہوگی اور پائلٹ ہمیشہ ایک مرد؟ میڈیا کو ذمہ دارانہ انداز میں رپورٹنگ کرنی چاہیئے اور خبر میں سنسنی پیدا کرنے کے لئے سارا مدعا متاثرہ فرد پر ہی ڈال دینے کا سلسلہ بند کرنا چاہیئے۔ مثلاً سرخی لگائی جاتی ہے کہ ”غیرت مند مرد نے ماں کو آشنا سمیت قتل کر دیا“ حالانکہ یہ اس طرح ہونی چاہیئے کہ

”مرد نے اپنی ماں اور دوسرے شخص کو بیدردی سے قتل کر دیا“۔ سوچ کی یہ معاشرتی تبدیلی تبھی ممکن ہو گی جب ہر سطح پر اسے درست کیا جائے گا۔

حالیہ سالوں میں پاکستان ایسے داخلی تنازعات کی لپیٹ میں رہا ہے جنہوں نے ملک کی مجموعی سلامتی پر بھی اثرات مرتب کئے ہیں۔ قانون کی حکمرانی کو مستحکم بنا کر اسے نازک حالات سے دوچار علاقوں میں تنازعات کی موثر روک تھام کے لئے کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے؟

کسی بھی ملک میں تنازعات کی روک تھام کا واحد راستہ ہر سطح پر قانون کی حکمرانی ہے۔ اس سے آپ کو ایسے جائز قانونی پروٹوکول اور طریقے مل جاتے ہیں جو انسانی حقوق کا تحفظ کرتے ہیں اور جرائم و تشدد کی روک تھام کرتے ہیں۔ غربت اور ضروری قانونی کارروائی کا فقدان فرسٹریشن پیدا کرتا ہے جس کا انجام جرائم و تشدد کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ پہلے سے نازک حالات کا شکار علاقوں میں یہ صورتحال مزید بگڑ جاتی ہے۔ اقوام کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ ان تمام بین الاقوامی پروٹوکولز اور معاہدوں کی پاسداری کریں جن کی وہ توثیق کر چکی ہیں اور ملکی سطح پر انہیں اپنائیں۔ یہ امر بھی اہم ہے کہ امن و امان سے متعلق تمام ادارے بین الاقوامی معاہدوں کے تحت اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوں۔ قانون کی حکمرانی کا سہارا لے کر امن و سلامتی کو برقرار رکھا جا سکتا ہے اور پائیدار بھی بنایا جا سکتا ہے۔

انٹرویو

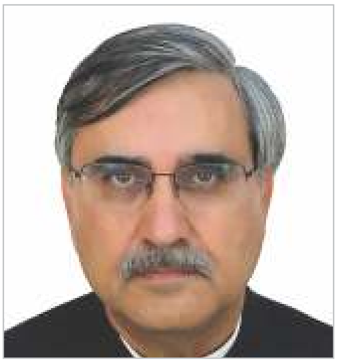

احمد بلال محبوب

صدر

پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپیرنسی (پلڈ یٹ)

مکرر ارشاد

''...قانون کی حکمرانی کو مستحکم بنا کر ہی ریاست کو پھر سے جائز قانونی حقوق کا ضامن بنایا جاسکتا ہے۔''

آپ کی رائے میں کیا پاکستان میں طرز حکمرانی کے ایسے ڈھانچے موجود ہیں جو ریاستی اداروں میں شفافیت اور احتساب کو یقینی بنائیں؟ طرز حکمرانی کے یہ ڈھانچے کس قدر موثر ہیں؟

میری رائے میں ریاستی اداروں میں شفافیت اور احتساب کے ڈھانچے موجود ہیں جن کی موثر حیثیت اپنی اپنی جگہ مختلف ہے۔ بالعموم قانونی اور آئینی فریم ورک موجود ہے اور قوانین پر عملدرآمد کے لئے ادارے بھی قائم ہیں لیکن عملدرآمد کا معیار اور اداروں کی موثر حیثیت ایک سوالیہ نشان ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے ہاں قومی احتساب آرڈیننس (این اے او)، 1999 کی شکل میں احتساب کا خاصا معقول قانون موجود ہے اور اس آرڈیننس پر عملدرآمد کے لئے قومی احتساب بیورو (نیب) کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ نیب کو شروع دن سے ہی کئی طرح کے سیاسی دباؤ کا شکار بنا دیا گیا اور اسے سیاسی مخالفین کو نشانہ بنانے اور وفاداریاں بدلنے پر مجبور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ اس بڑی رکاوٹ کے باوجود نیب نے کافی اچھا کام کیا ہے تاہم بیشتر صورتوں میں چونکہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اپنی آزادی کا ادعا نہیں کر پایا اس لئے یہ لوگوں میں اپنا اعتماد بڑی حد تک کھو بیٹھا ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں کم و بیش دو صوبوں (پنجاب اور خیبر پختونخواہ) میں رائٹ ٹو انفارمیشن کے شاندار قوانین موجود ہیں اور ان کے انفارمیشن کمیشنوں کی بدولت کچھ بہتری بھی آنے لگی ہے لیکن پنجاب میں نئے انفارمیشن کمشنروں کی تقرری کے علاوہ بجٹ کے اجراء اور عملہ کی تقرری میں تاخیر کی گئی جو پنجاب انفارمیشن کمیشن کے لئے ایک موثر ادارے کی شکل اختیار کرنے میں بڑی رکاوٹ بن گئی۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں پولیس اور عدلیہ سمیت قانون و نظم سے متعلق ادارے شہریوں کو انصاف تک مساویانہ رسائی فراہم کرتے ہیں؟ قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے کون کون سے ضروری اقدامات کئے جانے چاہئیں؟

میں نہیں سمجھتا کہ پولیس اور عدلیہ سے متعلق موجودہ نظام انصاف تک مساویانہ رسائی فراہم کرتے ہیں۔ پولیس کو ہی لے لیں، آزادی کا فقدان ہو یا سیاسی اثر ورسوخ کا خطرہ، بھرتی، تعیناتی اور ترقی کا حق ہو یا بنیادی فیصلہ سازی، یہ اس ادارے کی بڑی کمزوریاں ہیں۔ شروعات کے طور پر ایک ترقی پسند پولیس قانون کی ضرورت ہے جو پولیس فورس کو داخلی سرگرمیوں میں خودمختاری کی ضمانت فراہم کرے۔ میرٹ کی بنیاد پر بھرتی، تعیناتی اور ترقیاں ایک فعال پولیس فورس کے لئے بنیادی شرط ہیں جس کے ساتھ احتساب کا ایک موثر نظام موجود ہونا چاہئے۔ موزوں بجٹ کی تخصیص، جس کا آغاز تھانوں کے بجٹ سے کیا جائے، تربیتی سرگرمیاں اور پولیس فورس کی آسودہ حالی، ایسے شعبے ہیں جن پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پولیس بالخصوص اس کے تفتیشی ونگ کی استعداد میں بہتری جرائم کے موثر خاتمہ کے لئے قطعی ناگزیر ہے۔ عدلیہ مقدمات کے بوجھ سے لدی ہوئی ہے۔ شبینہ عدالتیں اور تنازعات کے تصفیہ کے متبادل نظام اس مسئلے سے نمٹنے کا واحد راستہ دکھائی دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں، ججوں کی خالی آسامیاں وقت پر پُر ہونی چاہئیں اور مطلوبہ تعداد میں ججوں کی جانچ پرکھ (Evaluation) مستقل طور پر ہونی چاہیئے تاکہ مقدمات کا بوجھ نمٹانے کے لئے خاطر خواہ ججوں کی موجودگی یقینی بنائی جاسکے۔

بنیادی انسانی حقوق کا احترام یقینی بنانے میں ریاست کا کردار اپنی جگہ، بالعموم معاشرے کو بھی اس میں اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ آپ کی رائے میں کیا معاشرہ ساتھی شہریوں کے انسانی حقوق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟ وسیع تر معاشرتی تبدیلی لانے اور بنیادی انسانی حقوق کی قبولیت یقینی بنانے کے لئے کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے؟

میری رائے میں بالعموم معاشرہ اپنے ساتھی شہریوں کے انسانی حقوق کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ لوگوں کی بڑی تعداد کو انسانی حقوق کی اہمیت کا احساس نہیں ہے اور کئی حلقے اسے 'مغربی ایجنڈا' قرار دیتے ہیں۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سمیت معاشرے میں ہر سطح پر 'انسانی حقوق پر شعور و آگاہی' کہیں بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ اس آگاہی مہم میں صحافیوں، عوامی عہدیداروں مثلاً ارکان قومی اسمبلی، ارکان صوبائی اسمبلی، مقامی حکومت کے منتخب عہدیداروں، پولیس اور دیگر سکیورٹی ایجنسیوں کو بھی شامل کیا جائے۔ ابلاغ عامہ کے ذرائع سے کہا جائے کہ وہ فلاح عامہ کے پیغامات میں انسانی حقوق پر بات کریں جس کے لئے وقت مختص کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق جیسے اداروں کو زیادہ موثر بنایا جائے اور ان کا کام نظر آنا چاہئے۔

حالیہ سالوں میں پاکستان ایسے داخلی تنازعات کی لپیٹ میں رہا ہے جنہوں نے ملک کی مجموعی سلامتی پر بھی اثرات مرتب کئے ہیں۔ قانون کی حکمرانی کو مستحکم بنا کر اسے نازک حالات سے دوچار علاقوں میں تنازعات کی موثر روک تھام کے لئے کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے؟

قانون کی کمزور حکمرانی معاشرے میں تصادم کے بڑے محرکین میں سے ایک ہے۔ کم وسائل کے حامل کسی شخص کے ساتھ اگر کوئی زیادتی ہو جائے تو اس کے لئے انصاف کا حصول انتہائی مشکل، مہنگا اور دقت طلب کام ہے۔ کئی عسکریت پسند گروہوں کو لوگ قبول کرنے لگے ہیں اور یہاں تک کہ وہ خاصے مقبول ہیں محض اس لئے کہ وہ غیر رسمی طریقوں سے فوری 'انصاف' کا انتظام کر دیتے ہیں۔ قانون کی حکمرانی کو مستحکم بنا کر ہی ریاست کو پھر سے جائز قانونی حقوق کا ضامن بنایا جاسکتا ہے۔ قانون کی حکمرانی موثر ہو جائے تو جو افراد اور گروہ قانون کی حدود سے بالاتر ہو کر کام کر رہے ہیں انہیں بھی دائرہ انصاف میں لایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا قانون کی موثر حکمرانی معاشرے میں تنازعات کی روک تھام کے سلسلے میں اہم اور موثر کردار ادا کرتی ہے۔

نوجوانوں کی آواز

بختاور بلال صوفی

قانون دان، شریک بانی
نیکسٹ جنریشن پاکستان (این جی پی)

”پاکستان میں قانون کی مستحکم حکمرانی قائم کرنے میں درپیش ایک بڑی مشکل 'اشرافیہ کا قبضہ' ہے جس کی بدولت لوگ اپنے اثر و رسوخ، پیسے یا طاقت کے بل پر نظام قانون کو خرید لیتے ہیں یا زبردستی اپنا الو سیدھا کر لیتے ہیں۔ اس مسئلے کو 'خود احتسابی' کے اس نظام سے دوام ملتا ہے جو ہمارے تمام بڑے اداروں میں رائج ہے یعنی فوج اپنی ریگولیشن خود کرتی ہے اور آئینی لحاظ سے عدالتی دائرہ اختیار میں نہیں آتی، عدلیہ اپنی آزادی کا عذر پیش کر کے خود اپنی ریگولیشن کرتی ہے اور اعلیٰ عدالتوں میں تقرریاں کرتی ہے۔ اسی طرح وکلاء بھی اپنی برادری کی ریگولیشن خود کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو احتساب بورڈ ہیں وہ بھی اپنی اپنی ایگزیکٹو کے قبضے میں ہیں۔ پاکستان میں قانون کی مستحکم حکمرانی پر بات شروع کرنے سے بھی پہلے ہمیں ان ریگولیٹری ڈھانچوں کی بدولت پیدا ہونے والی طرز عمل کی مراعات کو بدلنا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمارے ملک کے نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ شعبہ تدریس میں آئیں جہاں وہ تحقیق کر سکتے ہیں اور آئین اور قانون کی اصلاح کے لئے اپنی بنائی ہوئی پالیسی تجاویز پیش کر سکتے ہیں۔“

سارہ رضا

طالبہ، شعبہ قانون
لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز

”کرپشن کی غیر موجودگی، سلامتی و نظم اور بنیادی حقوق وہ تین ناگزیر عوامل ہیں جو قانون کی حکمرانی برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ یہ عوامل لوگوں پر انفرادی، معاشی، سماجی اور سیاسی لحاظ سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور پاکستان کو درپیش بڑے ترقیاتی مسائل پر اپنی آگاہی بہتر بنائیں اور اپنی اپنی حیثیت میں انہیں حل کرنے کی عملی کوششیں کریں۔ مقامی کمیونٹیز میں آگاہی ورکشاپس کے انعقاد، دوستوں اور ساتھیوں کی مدد سے مسائل حل کرنے کی حکمت عملیوں کی تشکیل اور کمزور و محروم طبقات کو اپنی آواز بلند کرنے میں مدد دے کر نوجوان کامیابی اور ترقی کے مقاصد کے حصول پر کام کر سکتے ہیں۔“

حسین اعظم چیمہ

طالب علم، شعبہ قانون
لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز

”قانون کی حکمرانی کا انحصار لوگوں کے اس یقین پر ہے کہ نظام قانون جائز حیثیت کا حامل ہے اور اس کی حاکمیت اپنی جگہ بھرپور انداز میں قائم ہے۔ اس کے لئے بعض کلیدی عوامل یہ ہیں: (i) عدالتی احکامات پر فوری عملدرآمد یقینی بنانا۔ (ii) عدالتوں میں قانونی چارہ جوئی کا وقت کم کر کے انصاف تک رسائی بہتر بنانا۔ (iii) عدالتوں سے باہر کارروائیاں مقامی زبان میں انجام دینا تاکہ سب لوگ عدالتی فیصلوں کو پوری طرح سمجھ سکیں۔ نوجوان اس عمل کی راہ ہموار کرنے کے لئے ایسے شفاف اور ڈیجیٹل نظام پر مبنی قانونی ڈھانچے کے لئے جدوجہد کر سکتے ہیں جو سب کی شمولیت پر مبنی ہو کیونکہ جہاں تک حکومت پر اثر انداز ہونے کا تعلق ہے تو نوجوان اس کے لئے خاطر خواہ قوت رکھتے ہیں۔“

نوجوانوں کی آواز

رضیہ منوں

بیرسٹر
ایجنکٹ فیکلٹی، کنیئرڈ کالج برائے خواتین

"قانون کی زبان میں قانون کی حکمرانی اس تصور کا نام ہے جس میں کسی قوم پر افراد کے بجائے قوانین کی حکمرانی ہوتی ہے۔ پاکستان میں اس کے کامیاب نفاذ کے لئے ناگزیر تین عوامل میں قوانین کی واضح حیثیت (بشمول مروجہ قوانین کی آگاہی)، خدمت عامہ کی سطح پر احتساب اور شہریوں کی فوری و قطعی انصاف تک رسائی شامل ہیں۔

نوجوان قانون کی حکمرانی برقرار رکھنے میں انتہائی اہم کردار اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی تعداد، تعلیم اور مواقع کے اعتبار سے اپنی قوت کا استعمال کریں اور یکجا ہو کر تبدیلی کی خاطر کام کریں۔"

عمر عامر

طالب علم، شعبہ قانون
لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز

"میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں قانون کی مستحکم حکمرانی کے تین ناگزیر اجزاء میں فعال و موثر نظام عدل، ذمہ دار بار ایسوسی ایشنز اور پارلیمنٹ کی بالادستی شامل ہیں۔ ان کی موجودگی اس امر کو یقینی بنا سکتی ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور پامالی ناممکن سی بات ہے۔ اس سلسلے میں نوجوان فعال کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ معاشرے کی ترقی کے لئے معلومات کے پھیلاؤ اور ریاست کے ان تین کلیدی اداروں کے استحکام (ان کی پڑتال کے حوالے سے) کے لئے اصل ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

بشریٰ عزیز

طالبہ، شعبہ قانون و پالیسی
لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز

"قانون کی حکمرانی برقرار رکھنے کے لئے تین ناگزیر عوامل میں پالیسی سازوں کی طرف سے مستحکم پالیسیوں کی تشکیل، پالیسیوں پر عملدرآمد کے مرحلے میں کرداروں اور ذمہ داریوں کا تعین اور نئے ادارے بنانے کے بجائے پہلے سے موجود اداروں کا استحکام شامل ہیں۔ نوجوان انفرادی سطح پر اپنی ذمہ داریوں کی پہچان کر کے کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں اور اپنا اثر دکھا سکتے ہیں۔"

نوجوانوں کی آواز

ارسلان محمود گورایہ

طالب علم شعبہ قانون
لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز

پاکستان میں قانون کی حکمرانی کو عدلیہ کی آزادی ،ججوں کی تقرری کے منصفانہ،غیر جانبدارانہ وشفاف طریقہ کاراور آئین میں ایسی ترامیم کے ذریعے برقرار رکھا جاسکتا ہے جو مبہم اور ایسی شقوں کو ختم کردیں جو قانون کی حکمرانی کے منافی ہیں ۔ان کلیدی عوامل سے سیاسی جانبداری کا امکان ختم ہو جائے گا اور انصاف یقینی ہو جائے گا۔نوجوان اپنے واحد ہتھیار یعنی قلم کے ذریعے عوام میں اس مسئلے کی حساس نوعیت پر آگاہی پیدا کر سکتے ہیں ۔

سائرہ غوری

طالبہ،شعبہ قانون
لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز

قانون کی مستحکم حکمرانی کا قیام،منصفانہ اور مستحکم قوانین پر مبنی نظام کا قیام،تمام شہریوں کے ساتھ ان کی حیثیت،عہدے،ذات،عقیدے وغیرہ سے قطع نظر مساوی سلوک اور قوانین کی آگاہی شامل ہیں ۔ پاکستان میں قانونی حوالے سے موجودہ صورتحال کے پیش نظر یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ آبادی کا بہت کم حصہ اپنے حقوق وفرائض سے پوری طرح آگاہ ہے ۔مذکورہ بالا تینوں عوامل کے آزاد اور غیر جانبدار نظام عدل کے ساتھ مل کر کام کرنے سے پاکستان میں قانون کی مضبوط حکمرانی وجود میں آسکتی ہے ۔امریکی سپریم کورٹ کے جسٹس انتھونی کینیڈی کے بقول ”جب ہم قانون کی حکمرانی کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ایک ایسے قانون کی ہوتی ہے جو آزادی کو فروغ دے،جو انصاف کو فروغ دے اور جو مساوات کو فروغ دے“۔

ابراہیم محمود بٹلہ

طالب علم،شعبہ قانون
لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز

قانون کو بین الاقوامی تقاضوں کے مطابق ڈھالنا ناگزیر ہے یعنی تمام دھڑے عدلیہ کو تسلیم کریں،قانون سازی ذمہ دارانہ انداز میں کی جائے اور پابندیوں کے قواعد بہتر بنا دیئے جائیں تو صورتحال میں بہتری آجائے گی۔نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ ذمہ دارانہ طرز حکمرانی کو اپنائیں اور اپنے نظام پر ایسے مثالی انداز میں اعتماد کریں کہ عام لوگ بھی انہیں دیکھ کر یہی راہ اپنائیں ۔

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان